محترمہ فریدہ خاتون چشتی

عورت اور معاشرہ

روزنامہ "نوائے وقت" لاہور میں مؤرخہ ۳۰ رجولائی ۱۹۷۵ء کو محترمہ قیس فریدی صاحبہ کا مضمون بہ عنوان "عورت کے حقوق" شائع ہوا۔ جس میں انہوں نے عورت کے حقوق کا بجا طور پر تعین کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر عورت خود کو پہچانے تو اس کا مقام ثریا سے بھی بلند تر ہے اور عریانی اور بے راہ روی کو آزادی اور حقوق کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

دراصل حیاتِ انسانی کی پوری عمارت دو بنیادی اصولوں پر کھڑی ہے۔ اول عقیدہ اور دوم، عمل!

عقیدہ کی تعریف میں وہ سب کچھ آجاتا ہے جس کو ہم نظریہ، ایمان، مسلمات وغیرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جس طرح عمارت کی مضبوطی اور پائیداری کے لئے بنیاد کا مضبوط ہونا شرطِ اوّل ہے، اسی طرح کسی عمل کے خوب اور نتیجہ خیز ہونے کے لئے عقیدے یا اصول کا اپنی جگہ درست، عمدہ اور پاکیزہ ہونا ضروری ہے۔

عقیدہ مسلمان کا بھی ہوتا ہے اور کافر کا بھی، بہرحال دونوں میں بنیادی فرق ہے مومن کے تمام عقائد کی بنیاد توحیدِ الٰہی اور رسالتِ محمدی کے اقرار پر ہے۔ اور کافر کے عقائد کی عمارت توحید و رسالت میں سے کسی ایک یا اکثر و بیشتر دونوں کے انکار پر تعمیر ہوتی ہے ان دو طرح کے عقائد کا تجزیہ اور تقابل ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ ہم یہاں صرف یہ

بتانا چاہتے ہیں کہ نفسیاتی، منطقی اور وجدانی طور پر کسی عمل کا اس وقت تک تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک کہ پہلے اس کی قوتِ متحرکہ کے طور پر اسی عمل کو رونما کرانے والے نظریے یا عقیدے کے وجود کو مفروضے کے طور پر تسلیم نہ کرلیا جائے۔ زیادہ سادہ الفاظ میں عقیدہ یا نظریہ سبب ہے اور عمل اس کا نتیجہ۔

قرآنِ کریم کو پڑھ کر دیکھیں تو ایمان (یا عقیدے) اور عمل کا چولی دامن کا ساتھ ہے جہاں جہاں نیک اعمال (عمل صالح) کا ذکر آیا ہے، وہاں ایمان پر بھی زور دیا گیا ہے۔ اور جس جس مقام پر برے لوگوں کی برائیوں اور بے حیائیوں کو بیان کیا گیا ہے، اس کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے ایمان یا عقیدے میں کوئی نہ کوئی خلل یا خرابی موجود ہے۔

مندرجہ بالا توضیح سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اگر عقیدہ اور ایمان اپنی جگہ پر درست ہے تو عمل کا صحیح ہونا لازمی ہے، اور اسی طرح اگر عمل درست ہے تو عقیدہ بھی درست ہے۔

بحث کو سمیٹنے اور مطلب تک بآسانی پہنچنے کے لئے اب ہم مسلمان عورت اور مرد کی زندگی کو لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ مسلمان عورت اور مرد کی زندگی کا مدعا کیا ہونا چاہیے، کیا ہے اور اس میں اصلاح کیونکر ہو سکتی ہے؟

چونکہ اس مضمون کا عنوان عورت اور معاشرہ ہے، لہٰذا اس باب میں ہمیں دین، انبیاء اور صلحا کے علاوہ بنیادی اصولوں پر کاربند ہونا ہوگا۔ اس مضمون کو علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب ہی بیان کیا ہے ؎

تجھے بتاؤں، مسلماں کی زندگی کیا ہے
یہ ہے نہایتِ اندیشہ و کمالِ جنوں!

جنابہ محترمہ قیس فریدی صاحبہ نے بجا طور پر ان اصولوں کی پیروی میں اپنے بلند پایہ مقالہ میں لکھا ہے:

"آج کل عورت اپنے حقوق کا مطالبہ بڑے زور شور سے کر رہی ہے اور جو حقوق اسے مل چکے ہیں، ان کی حفاظت کے لئے بڑے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے۔ اپنے مشن کو آگے بڑھانے اور کامیابی سے ہمکنار کرنے کا عملاً عزم و اظہار کرتی ہے عورت کی محرومیوں کا ہر دردمند انسان کو احساس ہے اور ہونا بھی چاہیے۔

کیونکہ عورت نہ صرف ماں، بہن اور بیٹی ہے بلکہ معاشرے کا بنیادی کردار اور زندگی کا ساتھی بھی ہے۔ عورت ہی تو تھی جس نے فاطمہ بنت عبد اللہ کی صورت میں مجاہدین اسلام کے زخموں پر مرہم رکھا اور جام شہادت نوش کیا، عورت ہی تو تھی جو جمیلہ کی شکل میں صیہونیت کے خلاف نبرد آزما رہی، لیکن آج اور کل کی عورت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ کل کی عورت اپنی معنویت کے اعتبار سے عورت تھی، آج کی عورت لغوی معنوں میں عورت ہے۔"

آگے چل کر محترمہ فرماتی ہیں:

"اگر اندر کی عورت زندہ ہو تو غیرت بیدار ہوتی ہے، لیکن وہ عورت جو بازاروں اور سڑکوں پر حقوق کی رٹ لگائے پھرتی ہے اور کلبوں اور بازاروں کی زینت بننا اسے پسند ہے، تو ایسے میں نہ تو اسے عورت کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی وہ اس کی مستحق ہے، اس لئے کہ اس کے اندر کی عورت دم توڑ چکی ہے اور جب اندر کی عورت دم توڑ جاتی ہے تو غیرت و حمیت مر جاتی ہے۔ اور غیرت کا جنازہ اٹھ جاتا ہے، تو عورت، عورت نہیں رہتی۔"

ہم نے "ترجمان" کے پچھلے شمارہ میں اپنے ایک مضمون "مسائل نسواں اور ہم" میں عورت کے مقام کا تعین کرتے ہوئے لکھا تھا کہ عورت کے معنی ہر اعتبار سے پردے میں ملبوس اور شرم و حیا کی پیکر کے لئے جاتے ہیں۔ اور اسی مقام کو قرآن و حدیث نے بیان کرتے ہوئے، اسکے قدموں تلے جنت کی صدا لگائی ہے۔ صد افسوس کہ آج عورت معاشرے میں اپنا صحیح مقام حاصل کرنے کی بجائے مرد کے ہاتھوں کا کھلونا بن کر رہ گئی ہے اور اپنی تحقیر اور ذلت کو اس نے از خود دعوت دی ہے۔ ورنہ آج بھی جہاں عورت کے تقدس کا احترام کیا جاتا اور جہاں عورت نے اپنا عمل دین اسلام کے مروجہ اصولوں میں اپنا رکھا ہے، وہاں بڑے بڑے سپہ سالار، عالم دین و دنیا، فاتح اور جرنیل عورت کے قدموں میں فلاح ڈھونڈتے نظر آتے ہیں۔

مسلمان عورت اور مرد کی زندگی دو باتوں سے مرکب بنائی گئی ہے۔ بقول اقبال ؒ ؏

یہ ہے نہایت اندیشہ و کمال جنوں

"نہایت اندیشہ" غور و فکر، عقل و تدبر، فہم و فراست اور سوجھ بوجھ کی انتہائی بلندی

اور پاکیزگی ہے - اور کمالِ جنون، پہلے درجے میں ایمان اور عقیدے کی مضبوطی اور طہارت ہے اور پھر مآلِ کار اس ایمان اور عقیدے پر مبنی بے خوف و خطر عمل کا نام ہے - اسلام اگر جسم ہے تو ایمان اور عقیدہ اس کی جان ہے - یہ دین ایک لمحہ کے لئے بھی یہ تصور نہیں کرتا کہ اس کے پیروکار کا ایمان کچھ ہو اور عمل کچھ اور - مثلاً اگر ایمان یہ ہے کہ خدا ایک ہے تو اس کا صرف زبانی اقرار ہی کافی نہیں بلکہ عملی زندگی سے بھی یہ بات واضح ہونی چاہیئے خدا تعالیٰ کو ایک مان لینے کے معنے یہ ہیں کہ اپنا پیدا کرنے والا، مارنے والا، عزت و ذلت دینے والا، نفع و نقصان پہنچانے والا اس کو اور صرف اسی کو تسلیم کیا جائے اور جہاں ایسی صورت پیش آجائے کہ خدائے ذوالجلال کی ان صفات میں کوئی اور بھی شریک اور شامل ہونے کا دعوے دار بن بیٹھے وہاں بے خوف و خطر اس سے انکار کر دیا جائے ؎

ماسوا اللہ مسلماں بندہ نیست،
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست!!

پھر اگر ایمان یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، سچے اور آخری رسول ہیں تو عمل میں بھی اس ایمان کی واضح اور بے باک شہادت ملنی چاہیئے -

اور وہ یوں کہ اپنی روزمرہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا پروگرام مرتب کرنے اور اس کا نقشہ بناتے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ مبارکہ کو سامنے رکھے کیونکہ اس کے بغیر چارہ نہیں:

"لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ من کان یرجو اللہ والآخرۃ"
یعنی جو شخص دنیا اور آخرت میں خدا کی رضا جوئی چاہتا ہے، اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین عملی نمونہ موجود ہے -"

اسی بات کو کئی اور مقامات پر مختلف طریقوں سے ذہن نشین کیا گیا ہے -

ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عقیدہ و ایمان جتنا پاکیزہ اور خالص ہوگا، عمل بھی اتنا ہی پاکیزہ اور ہموار ہوگا ——— اس عمل کے کیا کہنے جس کی بنیاد خدا تعالیٰ پر غیر متزلزل یقین اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پختہ ایمان ہو - خدا اور رسول پر ایمان لے آنے کے بعد یہ ہو نہیں سکتا کہ صاحب ایمان کا عمل خدا تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے مطابق نہ ہو -

ان پاکیزہ تصورات کی روشنی میں ہم آج کل کی عورت سے، جس کا ضمیر مردہ ہو چکا ہے اور جو عریانی و فحاشی کی منہ بولتی تصویر بلکہ ننگا جسم لئے بازار میں رقص کناں ہے، سوال کرتے ہیں کہ کیا اس کی تخلیق کا مقصد یہی ہے؟

ایمان کا نفسیاتی تجزیہ کیا جائے تو یہ ایک حالت کا نام ہے، یہ حالت جب انسان پر وارد اور طاری ہو جاتی ہے تو انسان بعض باتیں اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اور بعض باتیں ترک کرنے پر۔

ایک مثال لیجئے، جنگل میں سفر کرتے ہوئے اگر کسی شخص کو اچانک شیر کا سامنا ہو جائے تو اس پر ایک حالت طاری ہوگی۔ وہ حالت خوف اور فرار کی ہو گی، یا جرأت اور مقابلے کی۔ ان میں سے کوئی بھی حالت ہو، انسان کچھ نہ کچھ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اگر حالتِ خوف ہے تو شیر سے محفوظ رہنے کے لئے درخت پر چڑھ کر یا کسی اور طریقے سے فرار ہونے کی فکر کرے گا۔ اس کے برعکس اگر حالت جرأت کی ہے تو شیر سے مقابلہ کرکے اسے ختم کرنے کی کوشش کرے گا، خواہ اس کوشش میں خود ہی ہلاک کیوں نہ ہو جائے۔

بہرحال ان دونوں میں سے جو عمل بھی شخص مذکور نے کیا، صرف اسی لئے کیا کہ اس نے کھلی آنکھوں شیر کو دیکھا، اس کی موجودگی کا یقین کیا، اس کو خونخوار اور اپنی زندگی کا دشمن سمجھتے ہوئے اپنے بچاؤ کے لئے پناہ لینے یا اسے ختم کرنے کی کوشش کی۔

آنکھوں دیکھی چیز کو تسلیم کرنا یقین ہے مگر اَن دیکھی چیز پر یقین کرنا ایمان ہے۔ اور یہ ایمان جب کسی انسان کے احساس و شعور کو منور کر دیتا ہے تو اس پر ایک لطیف حالت طاری ہو جاتی ہے جو اس سے وہ سب کچھ کراتی ہے جو صاحبِ ایمان کو کرنا چاہیئے اور ان سب کاموں سے باز رکھتی ہے جو اس کے لئے ناپسندیدہ ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

"میں اس لئے پیدا کیا گیا ہوں تاکہ مکارمِ اخلاق کی تکمیل کر دوں!"

مکارمِ اخلاق کیا ہیں؟ صدق و صفا، امانت و دیانت، شجاعت و بسالت، شفقت و ہمدردی، راست گوئی و بے باکی، پاکیزگی و طہارت وغیرہ وغیرہ۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر یقین رکھنے والے، واقعی آپؐ کی ذاتِ گرامی

ہی کو اپنے لئے عملی نمونہ سمجھتے ہیں ، اور اس بنا پر وہ ہر بات میں آپؐ کی پیروی کر لیں تو کم از کم اس معاشرے میں جو اسلامی یا مسلمانوں کا معاشرہ کہلاتا ہے ، مکر و فریب ، ظلم و ستم ، بددیانتی و خیانت ، بے دلی و بزدلی وغیرہ وغیرہ رذائل اخلاق کا شائبہ تک باقی نہیں رہ سکتا اور پورے معاشرے کی فضا ، امن و سلامتی ، باہمی صلح و آشتی سے معمور ہو سکتی ہے۔
اب جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے مکارمِ اخلاق پر عمل نہیں ہو رہا تو دنیا جہنم کا نمونہ ہے ۔ اور اگر ان پر عمل شروع ہو جائے تو یہی جہنم جنت میں تبدیل ہو سکتا ہے ، ہاں ! عمل شرط ہے ۔ صرف زبانی جمع خرچ سے کچھ نتیجہ برآمد نہیں ہوگا ۔ کیونکہ ع

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

ایسے میں ہم عورت کو بھی مشورہ دیں گے کہ خدارا ایک ماں ، بہن ، بیٹی اور بیوی کی ذمہ داریوں کو قبول کر کے انہیں صدقِ دل سے بجا لائے تو یہ جھوٹے حقوق کی بازیابی نہ صرف چھوٹ جائے گی بلکہ وہ معاشرے میں ستاروں کی مانند قرار پائے گی ، اور مرد اپنے طاقتور اور بالادست ہونے کے دعوے کے باوجود یقیناً اس کے آگے جھکا ہوا نظر آئے گا اور باپ ، بیٹے ، خاوند اور بھائی کا مثالی کردار ادا کرے گا ۔

لیکن اگر خدانخواستہ عورت نے اپنا وطیرہ نہ بدلا ، تو معاشرہ کے باقی ارکان تو جدا ، باپ بیٹا ، بھائی اور خاوند اس کی وہ تذلیل کریں گے جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی ۔

پس اسے چاہیئے کہ اپنے نظریاتی عقیدے کی بنیاد پر اپنے اعمال کا محاسبہ کرے اور عظیم بن کر معاشرے میں اپنا لوہا منوائے ۔ واللہ الموفق !